Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم و حکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن

المعروف

الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم -33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

اَلْعَرْفُ کا معنی بُو یا مہک ہیں۔ عَرَفْتُہٗ میں نے اس کی بو پالی۔ یہیں سے اس کے معنی پہنچاننے کے آئے ہیں۔ قرآن حکیم میں آیا ہے:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ: ۱۴۶)

"وہ (پیغمبر) کو ویسے ہی جان پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔" عَرَفَ یَعْرِفُ۔ مُعْرِفَۃً وَعِرْفَانًا۔ کسی چیز کو پہچان لینا۔ مَعَارِفُ الْاَرْضِ زمین کے جانے پہچانے راستے (تاج العروس) تَعَارَفُوْا۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ لِتَعَارَفُوْا۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اَمْرٌ عَرِیْفٌ۔ جانا پہچانا ہوا کام (تاج العروس) اَلْعَرِیفُ جو اپنے آدمیوں کو پہچانتا ہو۔ یہ پہچان جانکاری کی حد تک ہے۔ علم کا درجہ عرفان یا پہچان سے اوپر ہے اس لیے اللہ یعلم کہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے) اللہ یعرف (اللہ کو اس کی معرفت ہے) نہیں کہتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئ کے متعلق یقینی ہوتا ہے۔ انسان کا علم محدود ہے۔ اس لیے مفعول کی صورت میں فلان یعلم اللہ استعمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان ذاتِ الٰہی کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ کائنات اور اس میں موجود آثار قدرت پر غور و فکر کرکے اس کی قدرت اور صفات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی اس کی صفات اور کائناتَ میں اس کی قدرت پر غور و فکر سے حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں یَعْرِفُونَ بمقابلہ یُنْکِرُوْنَ آیا ہے (النحل: ۸۳) اسی سے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهِیَ عَنِ الْمُنْکَرِ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اَلْمَعْرُوْفَ ہر اس

قول یا فعل کا نام ہے جس کی خوبی عقل یا شریعت سے ثابت ہو۔ اور مُنْکَرٌ ہر اس بات کو کہا جائے گا جو عقل یا شریعت کی رو سے بری سمجھی جائے۔ لہٰذا معروف وہ تمام کام اور امور ہیں جو انسانوں کے لیے نیکی، بھلائی اور خیر کے لیے دینی، اخلاقی اور تہذیبی طور پر تسلیم شدہ ہیں اور انسانوں کے ہزارہا سالہ دینی اخلاقی اور تہذیبی سفر میں پیغمبروں اور مصلحوں نے ان کو اعلیٰ انسانی اقدار کے طور پر پروان چڑھایا۔ اس طرح وہ اقدار انسانیت کے لیے مثالی اصول اور آدرش بنے۔ جو چیزیں اس کے مخالف ہوئیں وہ منکرات کہلائیں۔ وحی کی تعلیمات نے ان کے معروف اور منکر ہونے کی تصدیق کی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰)

"تم بھلائیوں والی امت ہو جو پوری انسانیت کے لیے ظہور میں آئے ہو۔ تم نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو۔" یہ ذمہ داری ختم نبوت کے بعد مسلمانوں پر آئی کہ وہ ایک مثالی امت کے طور پر عالم انسانیت کے لیے خیر امت کا فریضہ سرانجام دے۔ یہ منصب اور ذمہ داری قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بھی مسلمانوں کو سونپی ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اور وسط کی امت بنایا تاکہ اور لوگوں کے لیے تم گواہ بنو اور تمہارے لیے تمہارا رسول گواہ ہو۔"

مذکورہ آیت میں اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کے الفاظ بیحد توجہ طلب ہیں۔ دونوں میں یہ بات واضح ہے کہ اب النَّاسِ کی رہنمائی کے لیے اللہ نے تم کو

کھڑا کیا ہے۔ اس امت کا خیر امت ہونا بھی اسی پر موقوف رکھا ہے کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذمیداری تم پر ڈال دی گئی ہے وہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ جس اللہ پر تم ایمان لائے ہو اس کی منشا اور قوانین سے پوری انسانیت کو بہرہ ور کرنے کی ذمہ داری ادا کرتے ہو۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تم ایسی باتیں دوسروں کو نہیں کہتے جو خود نہ کرتے ہوں بلکہ جو ایمان کے تقاضے ہیں پہلے تم ان کو اپنے لیے لازم مانتے ہو اور بعد میں وہ دوسروں کے لیے پسند کرتے ہو۔ قرآن حکیم کی تعلیم انسانیت کے لیے آخری ہدایت قرار دی گئی۔ اس کے اعلیٰ انسانی اصولوں سے انسانیت کو بہرہ ور کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔ قرآن کے جن اصولوں پر وہ اخلاقی معاشرتی اور تمدنی اور تہذیبی مثالی نمونہ قائم کر چکے ہیں اس سے دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچانا خیر امت کی ذمہ داری قرار پائی۔

امام رازی اور دیگر مفسروں نے مسلمانوں کی اور رسول کی یہ گواہی آخرت میں بتائی ہے۔ لیکن قرآن حکیم کی تصریحات صاف بتاتی ہیں کہ مسلمان اس دنیا میں خیر امت کے طور پر انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں پوری انسانیت کے لیے اعلیٰ اصولوں اقدار اور قوانین کا مثال بنیں گے۔ یہ مثال ان کے لیے ان کے رسول نے قائم کرلی تھی اور آخرت میں بھی رسول کی شہادت ان فرض ادائگیوں کے متعلق ہو گی۔ یہی شہداء کا اصل مقصد ہے۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مسلمانوں کا اصل مشن، تخلیقی مقصد، ملّی امتیاز اور شرف خصوصی اس کو قرار دیا ہے کہ وہ دنیا میں اس لیے کھڑے کئے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو جہاں

کہیں دیکھتے ہیں اسے روکتے ہیں۔ انہیں امت وسط بنایا تاکہ وہ انسانی بھلائیوں اور صداقتوں کے پھیلاؤ اور عروج کے لیے اولین و آخرین کے لیے گواہ اور ہادی بن سکیں۔ اگر انہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا تو ان کا رسول امین اللہ کے آگے گواہ ہو گا۔ ان کا خیر امۃ ہونا ہی اس پر موقوف ہے کہ وہ اَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهِیَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ وسط امت بھی اسی لیے قرار دیا گیا تاکہ وہ لوگوں کے لیے گواہ رہیں۔ یہ شہادت اور گواہی اسی دنیا کے لیے اس طرح ہو گی کہ وہ انسانی تاریخ کی ہزارہا سالہ مسلّم صداقتوں، سعادتوں، اچھائیوں اور انصاف کے عملبر دار بنیں۔ اور اسی طرح وہ بدبختیوں اور برائیوں اور ظلم جیسے منکرات کو روکنے کی ذمہ داری کے عظیم فریضہ میں پیش پیش رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے واضح کہا ہے کہ اعلیٰ انسانیت کے قیام کے لیے دنیا میں ہونے والی تمام کوششوں میں آپ اس طرح شریک ہونگے کہ بنیادی انسانی حقوق سے لے کر انسانوں کی تمام جماعتوں، طبقوں اور اقوام کے حقوق کے لیے آپ رہنما کردار کریں گے۔ کیونکہ آخری ہدایت کا مینی فیسٹو آپ کے پاس موجود ہے۔ پہلے آپ اس مینی فیسٹو کا مثالی نمونہ بنیں گے اور پھر پوری انسانیت کے لیے رہنما بنیں گے۔ فرعونیت، قارونیت، کسرائیت، سامراجیت، پیشوائیت اور اس طرح کی تمام انسانیت کش منکرات کی بیخ کنی میں پیش پیش رہو گے۔ یہ ذمہ داری اسی لیے عطا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں عدل حقیقی قائم کرنا تھا۔ دنیا میں برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے تو دنیا عدل کا گہوارہ بن جائے گی۔ جس جماعت کا فرض اَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهِیَ عَنِ الْمُنْكَرِ ہو اس سے بڑھ کر اور کونسی جماعت عند اللہ اور عند الناس عادل ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے ایک عدل قائم

کرنے والی امت بنایا تاکہ دنیا کے لیے تم ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔ اس طرح ظلم، استحصال اور ناانصافی کے تمام صورتوں کی بیخ کنی کے ذریعہ انسانیت کے لیے یہ دنیا بھی سلامتی اور امن کا گہوارہ بنانے کا موجب بنو گے۔ پھر ان کوششوں اور عمل صالح کے نتیجہ میں آخرت کی سلامتی اور بھلائیاں ان ایمان والوں کے لیے سرمایہ بنیں گی۔

توحید الٰہی کے اس مقصد کے لیے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی گئی کہ وہ جس طرح شخصی طور پر اَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهِیَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی ذمہ داری ادا کریں گے اسی طرح یہ ہر دائرے میں اجتماعی، قومی و ملی طور پر بھی اسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونگے۔ وہ دنیا میں ان اصولوں کے غلبہ کو اپنا مقصد بنا کر جیئیں گے اور اسی مقصد کے لیے تمکین فی الارض حاصل کریں گے۔ اسی طرح وہ فرمانبرداری اور ایثار کا نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ قائم کریں گے اور معروف کے عملبر دار اور منکرات کی بیخ کنی سے اس منصب اور ذمہ داری کی تکمیل کریں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (الحج: ۴۱)

”اگر ہم ان کو حکومت اور خلافت دے کر زمین میں قائم کر دیں تو وہ نہایت اچھے کام انجام دیں گے۔ یعنی نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔“

اس آیت میں پہلے نماز کا ذکر کیا ہے پھر زکوٰۃ کا یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهِیَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا نام آیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح نماز اور زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے اسی طرح

اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهِیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔

قرآن حکیم نے زندگی کے اخلاقی رویوں کی بہتری کے لیے جو رہنمائی کی ہے اس میں معروف کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے، ارشاد ہوا ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًی وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾ (البقرۃ: ۲۶۳)

"نیک بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ بے نیاز و بردبار ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر سائل کو کچھ دے نہیں سکتے تو پھر قول معروف اور دوسروں کی پردہ پوشی سے ہی کام لو یہ بھی ایک قسم کا صدقہ اور بھلائی ہے۔ اسی طرح کی کئی آیات میں معروف کا مفہوم اچھی چلت اور رویے سے بھی وارد ہوا ہے۔

❖❖